بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلَى خَاتَمِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْن، أَمَّا بَعْدُ:

099: اہل سنت والجماعت کا موقف اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کے تعلق سے۔ (حصہ سوم)

العقیدۃ الواسطیۃ لشیخ الاسلام الامام ابو العباس احمد ابن تیمیہ رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ۔

اور پچھلے درس میں ہم بات کر رہے تھے کہ اہل سنت والجماعت کے اصولوں میں سے صحابہ کرام کے تعلق سے ہمارا کیا موقف ہے اور کیا عقیدہ ہے، اور ہم پہنچے تھے شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے اس جملے پر: "ويؤمنون بأن الله قال لأهل بدر وكانوا ثلاث مئة وبضعة عشر: اعْمَلُوا ما شِئْتُمْ فقَدْ غفَرْتُ لَكُمْ": یہاں پر پہنچے تھے اور یہیں سے آج کی نشست کا آغاز کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ صحابہ کرام کی فضیلت اور درجات بیان کر رہے ہیں اور جنگ بدر میں شریک جو صحابہ ہوئے تھے وہ سب سے افضل صحابہ سمجھے جاتے ہیں یہ ہمارا ایمان ہے، ترتیب پچھلے درس میں کچھ گزر چکی ہے آگے بھی ان شاءاللہ بیان کریں گے اور شیخ الاسلام بھی اسے مزید آگے بیان کریں گے لیکن عمومی طور پر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی آزمائش تھی جنگ بدر میں اس لیے جو صحابہ جنگ بدر میں شامل تھے اُن کا درجہ بہت بلند ہے اور افضلیت میں بھی وہ دوسرے صحابہ سے بہتر ہیں۔

یہ جو جملہ ہے "ويؤمنون": کون یؤمنون؟ أہل السنۃ والجماعۃ۔ اور ہم بات کس کی کر رہے ہیں؟ کس کے عقیدے کی ہم بات کر رہے ہیں؟ یہ عقیدہ ہے اہل سنت والجماعت کا کہ اہل سنت والجماعت ایمان رکھتے ہیں؛ یعنی اس جملے کا تعلق یا اس موضوع کا تعلق جس کے تعلق سے ہم بات کر رہے ہیں یا ابھی بات کی جائے گی اس کا تعلق ایمان سے ہے "ایمانیات" یعنی ہم عقیدے کی باتیں کر رہے ہیں اس کا تعلق عقیدے سے ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے کہا اور اُن کی تعداد تین سو (300) سے کچھ زیادہ تھی (یعنی تین سو تیرہ یا تین سو چودہ بعض روایات میں آیا ہے)، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اعْمَلُوا ما شِئْتُمْ" (تم جو چاہو کرو) "فقَدْ غفَرْتُ لَكُمْ" (یقیناً میں نے تمہاری مغفرت کردی ہے)۔

کتنا بڑا اعزاز ہے اور کتنی بڑی خوشخبری اور بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ گواہی دیتے ہیں اُن کی زندگی میں ہی: "فقَدْ غفَرْتُ لَكُمْ" یقیناً میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے! (سبحان اللہ)۔

اس کی کیا وجہ ہے یہ خوشخبری کیوں سنادی گئی؟ جنگ بدر کیا ہے؟ کب ہوئی تھی کیوں ہوئی تھی؟

اصل قصہ کیا ہے اُس کا نتیجہ کیا نکلا ہے ؟اِن سوالوں کے جوابات مختصر طریقے سے فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے شرح میں بیان کیے ہیں۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): اہل بدر کا جو مرتبہ ہے (بدری صحابیوں کا جو مرتبہ ہے) صحابہ کے بلند ترین مراتب میں سے ہے اُن کا درجہ بلند ہے (اور بدر ایک خاص جگہ کا نام ہے جس میں ایک جنگ ہوئی اور اُس جنگ کا نام بھی اُس جگہ کے نسبت سے رکھا گیا جنگ بدر، معنی یہ ہے شیخ صاحب کی بات کا) اور یہ جنگ جو ہے سن 2 ہجری میں ہوئی اور رمضان میں ہوئی رمضان کے مہینے میں۔

اب ذرا غور کریں سن 2 ہجری یعنی صحابہ کرام کی ہجرت کا دوسرا سال ابھی ابتدائی وقت تھا سنبھلنے کا! (آپ جب پوری جگہ شفٹ کر لیتے ہیں اور اپنی تمام دنیا کو آپ چھوڑ کر آتے ہیں (اپنا کاروبار روزگار، اپنے اہل وعیال اور اپنی تجارت اور اپنا مال سب کچھ) گھر وغیرہ سب کچھ آپ چھوڑ کر آتے ہیں ایک نئی جگہ پر جاتے ہیں تو آپ کو تھوڑا سا وقت لگتا ہے سنبھلنے کا) لیکن سبحان اللہ مشرکین نے یا مشرکین کے لیے یہ کافی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام اور صحابہ نے اُن کے لیے دنیا ہی چھوڑ دی تھی مکہ میں، وہ مزید کچھ انتقام یا اپنے دل کا جو بغض و نفرت ہے بھڑاس جو ہے اور جو آگ ہے اس کو دنیا کا دکھانا تھا کہ ہم کتنی نفرت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور صحابہ سے، اور ہم ظلم و ستم تو کرتے آئے تھے پہلے مکہ میں کس طریقے سے ہم نے اُن کا خاتمہ کرنا ہے دنیا کو دکھانا تھا۔

الغرض؛ اس کا قصہ جو ہے مختصراً ہم بیان کرتے ہیں شیخ صاحب فرماتے ہیں: جنگ بدر کے دن کو یوم الفرقان بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اُس دن میں فرقان ہوا حق اور باطل کا (غلبہ اور کامیابی اہل حق کی ہوئی، ہلاکت ناکامی اور رسوائی اہل باطل کی ہوئی)۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے سنت ہے اللہ تعالیٰ کی کہ ہمیشہ ایسے ہی ہوتا ہے، ظاہراً یوں لگتا ہے کہ اہل ایمان جو ہیں اہل حق جو ہیں مغلوب ہیں بس ابھی اِن کا خاتمہ ہونے والا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی خاص مدد اور اعانت ہوتی ہے اور ترازو جو لوگوں کو کچھ نظر آرہا ہوتا ہے وہ بالکل پلٹ جاتا ہے حق ظاہر ہو جاتا ہے اہل ایمان اہل سنت اہل حق غالب ہو جاتے ہیں اور اہل باطل مغلوب رُسوا اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔

آپ تمام قصے دیکھیں جو قصص الانبیاء ہے (علیہم الصلاۃ والسلام) آپ کو یہی نظر آئے گا کہ ابتداء میں کمزوری بہت ساری تکلیفیں بہت سارے چیلنجز (Challenges) ہوتے ہیں اپنے پیارے دشمن بن کر رُکاوٹیں پیدا کرتے ہیں تکلیفیں دیتے ہیں ظلم کرتے ہیں ستم کرتے ہیں اور شدت اختیار کر لیتے ہیں! دیکھیں عقیدہ انسان کو کہاں تک لے کر جاتا ہے!

یہ تمام معاملات جو ہیں یہ علمی معاملات ہیں، عقیدے کے معاملات جو ہیں اِن کا تعلق دل سے ہے لیکن آپ دیکھیں (سبحان اللہ) کچھ عرصے کے بعد ہونا تو یوں چاہیے نا کہ جو طاقتور ہے وہ مزید طاقتور ہو جاتا ہے اور کمزور مزید کمزور ہو جاتا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے آپ کو ایک راستہ دکھا دیا گیا ہے آپ اُس راستے پر چلتے جائیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو من وعن سے تسلیم کرتے ہوئے آپ نے زندگی ویسے ہی گزارنی ہے بھوک بھی ہو گی درد بھی ہو گا تکلیف بھی ہو گی تنگی بھی ہو گی لیکن ہر چیز کا اپنا اپنا اُجر ہے کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں اللہ تعالیٰ آزماتا ہے اہل ایمان کو اور جب اللہ تعالیٰ کی آزمائش میں وہ کامیاب ہو جاتے ہیں پھر یہ تنگی یہ مشکلات یہ تکلیفیں یہ درد سب کچھ دور ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خاص انعام اور احسان سے اہل حق اہل ایمان اہل سنت غلبہ حاصل کر لیتے ہیں نجات پا لیتے ہیں، اور اہل باطل اہل کفر اہل بدعت جو ہیں وہ ناکام ہو جاتے ہیں۔

تو آیئے دیکھتے ہیں اس جنگ کے تعلق سے چند اہم باتیں:

سب سے پہلے تو آپ یہ جان لیں کہ یہ 2 ہجری میں ہوئی رمضان کے مہینے میں اور اس دن کو یوم الفرقان بھی کہا گیا ہے اور اس کا سبب یہ تھا (شیخ صاحب فرماتے ہیں) کہ ابوسفیان اس وقت مشرک تھے اور آپ جانتے ہیں کہ تجارت کے قافلے ہوتے تھے اور تجارت اونٹوں پر کرتے تھے لوگ، تو مکہ سے شام کی طرف جا رہے تھے اور اُس قافلے میں کافی مال تھا تجارت کے لیے۔ تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قافلے کو روکنا چاہتے تھے اور اپنا حق لینا چاہتے تھے جو مکہ میں وہ چھوڑ کر آئے تھے اپنا مال و متاع اور مشرکین قابض ہو گئے تھے تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے جنگ کا اعلان نہیں کیا تھا صرف یہ اعلان کیا اور چند ساتھیوں کو یہ پیغام پہنچایا تھا کہ اس قافلے کی طرف جانا ہے اور ان سے اپنا حق چھیننا ہے اور لے لینا ہے۔

مکہ سے شام کی طرف جاتے ہوئے تو وہ قافلہ بچ کر نکل گیا (دیر میں پتہ چلا) جب واپس آ رہا تھا شام سے مکہ کی طرف تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے کچھ صحابہ کو اکھٹا کیا صحابہ کرام کی تعداد تین سو تیرہ یا تین سو چودہ (313 یا 314) تھی تقریباً "بضعة عشر" یعنی دَس سے کچھ زیادہ، اُن میں سے سترّ اونٹ تھے اور دو گھوڑے تھے، مدینے سے نکلے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور یہ صحابہ قتال نہیں چاہتے تھے جنگ نہیں چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اور اُن کے دشمنوں کو آمنے سامنے کھڑا کر دیا اور ہوا یہ کہ ابوسفیان کو خبر ملی کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیاری کی ہوئی ہے ان کی تجارت کے اس مال کو چھیننے کے لیے لینے کے لیے۔

تو ابو سفیان نے اپنا راستہ بدل کر جو سمندر کے قریب کا راستہ ہے ساحل (یعنی جو جدہ کی طرف راستہ آتا ہے) اس راستے کو اختیار کیا اور یہاں سے بچ کر یعنی مدینہ کو کراس (Cross) کر کے ساحل کی طرف سے جو ساحلی راستہ ہے سمندر کے قریب یہاں سے نکل کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے اور پیغام بھی بھیج دیا کہ ہم بچ گئے ہیں اور ہم واپس آرہے ہیں لیکن اُس سے پہلے جب خبر ملی ابو سفیان کو تو یہ خبر بھیج دی تھی اہل مکہ کو کہ اگر اپنا مال بچانا چاہتے ہو تو پھر مدد کے لیے آجاؤ اور تب تک یعنی خبر پہنچ چکی تھی مشرکین عرب کو مکہ میں لیکن راستہ بدل کر جب وہاں سے نکل گئے تو دوبارہ جو پیغام پہنچا کہ ہم بچ کر نکل کر آرہے ہیں تو ابو جہل اور مشرکین جو تھے وہ مکہ سے نکل گئے تھے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: کہ اہل مکہ نے جب تیاری کی نکلتے ہوئے اور اپنے تمام جو سردار ہیں جو بڑے ہیں وہ سب ایک ساتھ نکل کر تیار ہو گئے اور نکل پڑے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اُن کا یہ طریقہ بیان کرتے ہوئے: ﴿بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (تکبر اور گھمنڈ میں اور لوگوں کو دکھاوے کے لیے نکل پڑے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے اور حق کو روکنے کے لیے) (الانفال:47)۔

راستے میں اُن کو خبر ملی کہ ابو سفیان جو ہیں وہ اپنے اس قافلے کو لے کر واپس آرہے ہیں اور بچ نکلے ہیں تو آپس میں مشورہ کیا کہ اب واپس چلتے ہیں مشرکین نے لیکن ابو جہل نے کہا قسم کھائی واللہ! (اب دیکھیں مشرک بھی اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ربّ تو مانتے تھے قسمیں بھی کھاتے تھے لیکن ان کا شرک جو تھا شرک العبادۃ میں تھا اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں غیر اللہ کو بھی شریک کرتے تھے کسی اور کی عبادت بھی کرتے تھے ان کی دعا، نذر و نیاز، قربانی اللہ تعالیٰ کے لیے بھی ہوتی تھی اور بُتوں کے لیے بھی ہوتی تھی)۔

تو قسم کھائی ابو جہل نے اور یہ کہا کہ ہم واپس نہیں جائیں گے جب تک ہم بدر کی جگہ پر نہیں پہنچیں گے اور وہاں پر ہم قیام کریں گے اونٹ بھی ذبح کریں گے شرابیں پیئں گے اور گانے والیوں کو بلائیں گے اور ناچنے والوں کو بلائیں گے اور گانے بجائیں گے ناچیں گے وہاں پر تاکہ تمام عرب کو ہماری خبر مل جائے اور ہماری دہشت اور مہابت ان کے دلوں جگہ کر لے تاکہ ہم سے دوبارہ اس طریقے سے سوچنے کی بھی کوئی جرأت نہ کرے کہ کوئی ہمارا مقابلہ کر سکتا ہے تاکہ پتہ چلے تمام عرب کو کہ ہم کون ہیں اور ہم کس طریقے سے جب انتقام لیتے ہیں تو پھر ہم کیا کرتے ہیں (اور ایک ہزار کی تعداد تھی ان کی جب وہاں سے نکلے تھے)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): یہ بات جو ہے دلالت کرتی ہے اور ثبوت ہے کہ وہ صرف تکبر اور گھمنڈ اور اپنی عزت نفس کو بچانے کے لیے نکلے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے کہ معاملہ اس کے بالکل برعکس نکلا

،عرب کو جو خبر ملی اور جو انہوں نے سنا اور جو دیکھا وہ یہ تھا کہ ان کو شدید شکست ہوئی نقصان ہوا اور عرب میں وہ جس ہیبت کی بات کر رہے تھے اس کے برعکس ان کی جو جگہ تھی عرب میں اس جنگ کے بعد بالکل کمزور پڑ گئی (حالانکہ جنگ سے پہلے ان کی خاص جگہ تھی ایک خاص عزت تھی خاص مقام تھا لیکن جنگ بدر کے بعد وہ ہل چکے تھے)۔

اور یعنی آپ دیکھ لیں پوری تاریخ میں جنگ بدر کے بعد ان کی کیا حالت ہوئی؟! یعنی جو طاقت تھی جو ایک نام تھا وہ بالکل ختم ہو گیا اور باقی جنگیں جتنی بھی تھیں جنگ اُحزاب سب سے بڑی جنگ سمجھی جاتی تھی تمام مل کر اُحزاب اور گروہوں کی شکل میں مدینہ پر حملہ آور ہوئے کیا نتیجہ نکلا؟! اور مزید ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا! یعنی جنگ بدر ہی جیسے کہتے ہیں کمر توڑ نتیجہ تھا ان کے لیے۔

الغرض؛ جب بدر کے میدان میں پہنچے اور دونوں جو گروہ ہیں ان کا آپس میں آمنا سامنا ہوا ایک طرف مکہ سے آنے والے مشرکین اہل کفر اور اہل باطل، اور دوسری طرف مدینہ سے آنے والے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ اہل ایمان موجود تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو دیکھیں کیا حکم دیا ہے، سورۃ الانفال میں یہ قصہ موجود ہے آپ پوری سورۃ کا ترجمہ تفسیر پڑھ لیں تو ان شاءاللہ بہت ساری چیزیں آپ کے سامنے کھل کر آجائیں گی۔

سورۃ الانفال آیت نمبر 12 سے 14 تک اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ (کہ بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں تم ثابت کرو ایمان والوں کو (یعنی اُن کا ساتھ دو))۔

﴿سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ﴾ (میں عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا)۔

﴿فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ﴾ (پس گردنوں پر ضرب لگاؤ)۔

﴿وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾ (اور ہاتھوں کی انگلیوں کو بھی ضرب لگا کر کاٹ دو (گردنیں بھی کاٹنی ہیں اور ہاتھوں پر بھی مارنا ہے))۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ (یہ اس لیے کہ اُن لوگوں نے مشاقت کی ہے شدید مخالفت کی ہے اللہ تعالیٰ کی اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی)۔

﴿وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ (اور بے شک جس نے بھی مشاقت کی اللہ تعالیٰ کی اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی تو یقیناً اللہ تعالیٰ شدید سزا دینے والا ہے سخت سزا دینے والا ہے)۔

﴿ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ﴾ (یہی (یعنی) اس عذاب کا مزہ چکھو بے شک کافروں کے لیے آگ کا عذاب ہے)۔

دنیا میں ذلت اور رسوائی اور یہ معاملہ تھا اُن کا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اہل ایمان کا رعب ڈال دیا ڈر گئے، اور میدان جنگ میں جب ایک طرف کسی کے دل میں ڈر پیدا ہو جائے یقیناً شکست اور ناکامی ہو کر رہتی ہے!

اور (سبحان اللہ) یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جس نے بھی مشاقت کی ہے اللہ تعالیٰ کی اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی اس کا انجام ایسا ہی ہوا ہے بشرطیکہ مقابلہ کرنے والے کا ایمان مضبوط ہو اہل توحید ہو اہل سنت ہو سچا پکا مسلمان ہو تو غلبہ ہو کر رہتا ہے؛ لیکن جب دوسری طرف بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو شرک ہو بدعات ہوں خرافات ہوں تب تو پھر غلبہ تو دور کی بات ہے ذلت اور رسوائی کے سوا کچھ ملنے والا نہیں ہے!

کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ جب اہل ایمان اہل کفر پر یا اہل باطل پر غالب ہوتے ہیں تو اس کا ایک راز ہے، سب سے بڑا راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دشمن کے دلوں میں رعب پیدا کر دیتا ہے اور دل جو ہے وہ اپنے جسم کا بادشاہ ہوتا ہے، پورے جسم کا دار ومدار جو ہے نا وہ دل سے جڑا ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر دل سدھر جائے تو پورا جسم سدھر جاتا ہے اور جب دل بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے!

اہل ایمان کا دل مضبوط تھا ایمان سے، اہل کفر کا دل ویسے بھی کھوکھلا تھا تو اس میں اللہ تعالیٰ نے رعب اور ڈر کو ڈال دیا ہے تو حتمی نتیجہ کیا ہونا تھا؟ اہل ایمان کی کامیابی اور اہل کفر کی ناکامی اور ہلاکت۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: دونوں کا آپس میں مقابلہ ہوا (دونوں گروہوں کا) اور الحمد للہ شکست جو ہے وہ اہل کفر کی ہوئی مشرکین کی ہوئی اور نصر مبین جو ہے وہ مومنوں کی ہوئی کامیاب ہوئے اور سترّ (70) لوگوں کو اُسیر بنایا گیا اور سترّ (70) کو قتل کیا گیا (سترّ کو جنگی قیدی بنایا گیا اور سترّ کو قتل کر دیا گیا) اُن میں سے چوبیس (24) اُن کے بڑے سردار تھے قریش میں سے اور اُن کے ہلاک ہونے کے بعد اُن کو کھینچا گیا اور بدر کے علاقے میں جو گندگی کا ایک گڑھا تھا اُس گڑھے میں اُن کو ڈال دیا جو خبیث اور قبیح بدبودار گڑھا تھا (جس میں اہل بدر جو ہیں وہ اپنی گندگی ڈالتے تھے اُن سرداروں کو اُس میں دفن کر دیا گیا)۔

پھر جنگ کے تین دن کے بعد (شیخ صاحب فرماتے ہیں) اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہوتے ہیں اور اُس جگہ پر جا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اُن کے نام لے لے کر اُن سے خطاب کرتے ہیں، اُن کے نام اور اُن کے باپوں کے نام "يا فلان ابن فلان!" کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ تم اگر اللہ تعالیٰ کی اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کر لیتے کیونکہ ہم سے جو ہمارے ربّ نے وعدہ کیا ہے ہم نے تو وہ پا لیا ہے حق کیا تم نے بھی اپنے ربّ کو پا لیا ہے جو حق وعدہ تھا تم لوگوں سے یعنی عذاب کا ذلت اور رسوائی کا؟ تو بعض صحابہ نے عرض کی کہ اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر علیہ

الصلاۃ والسلام ! آپ ایسے جسموں سے بات کر رہے ہیں جن کی کوئی روح نہیں ہے یعنی مر چکے ہیں ؟ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ" (اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم لوگ اِن سے زیادہ سننے والے نہیں ہو (یعنی یہ لوگ جو ہیں یہ تم لوگوں سے بہتر اور زیادہ سُن رہے ہیں))۔

جبکہ صحابہ ساتھ کھڑے ہوئے تھے اور وہ دفن ہو چکے تھے اُس گندگی کے گڑھے میں (سبحان اللہ) تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز جو ہے اللہ تعالیٰ نے پہنچادی اُن لوگوں کے کانوں میں ، وہ برزخ میں تھے دنیا سے اُن کا تعلق ختم ہو چکا تھا اور مردے سنتے نہیں ہیں۔

جو اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اس معاملے میں وہ یہ ہے کہ مردے نہیں سنتے مگر جس چیز کی دلیل ہو۔

بعض لوگوں کے نزدیک یہ ہے کہ مردے سنتے ہیں ، آپ جاتے ہیں مردوں سے باتیں کرتے ہیں وہ پہچان بھی لیتے ہیں لیکن جو صحیح قول ہے اہل سنت والجماعت کے علماء کا اور سلف سے جو ثابت ہے وہ یہی ہے کہ دلائل کی روشنی میں قرآن اور سنت میں جو دلائل ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے مگر جس چیز کی دلیل موجود ہو ؛ دلیل دو چیزوں کی ہے :

(۱) ایک تو یہ حدیث ہے اور یہ خاص ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے کہ قریش کے جو سردار دفن ہو چکے تھے جنگ بدر میں جو ہلاک ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے اُن کو سنایا۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ باتیں ، اور اُن کے عذاب پر مزید عذاب تھا حسرت اور ندامت کی انتہا تھی کہ کاش اُس وقت سُن لیتے ہم ! اور ظلم وستم سے رُک جاتے اور اس گھمنڈ اور تکبر سے کام نہ لیتے اور بڑی باتیں نہ کرتے ؛ شدید عذاب میں تھے اور وہ گڑھا اُن کے لیے جہنم کا گڑھا تھا !

شدید عذاب میں کوئی آپ سے یہ کہے کہ تمہیں کہا تھا میری بات مان لو بچ جاؤ گے تم نے اُس وقت تو بات نہیں مانی اب دیکھو اللہ تعالیٰ کا عذاب۔ تو تکلیف بڑھ جاتی ہے کہ نہیں ؟ (سبحان اللہ)۔

پہلے سے غمزدہ تھے پہلے سے شدید تکلیف اور عذاب میں تھے تو اُن کے عذاب میں مزید اضافے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کو سنا دیا ، اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے جس کو سنائے جس کو نہ سنائے اللہ تعالیٰ کے ہاں تو " کن فیکون " ہے نا۔

تو ایک تو یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن مشرکین کو مرنے کے بعد جنگ بدر کے اُس گڑھے میں جب دفن ہو چکے تھے اُن کو یہ باتیں سنادیں جو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے کہیں۔

(۲) دوسری دلیل یہ عام دلیل کہ جب مردے کو دفن کر دیا جاتا ہے تو مردہ جو ہے وہ دفن کرنے والوں کے قدموں کی آہٹ جو آواز آتی ہے چلنے کی وہ سُن لیتا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔

بعض لوگوں نے کہا" جب مردہ یہ بات سنتا ہے تو پھر سب کو سننا چاہیے کیونکہ دنیا میں ہم جو ہیں اگر کوئی سننے والا شخص ہے جس کی قوت سماعت برقرار اور ٹھیک ہے تندرست ہے تو وہ تو سب کچھ سنتا ہے نا پھر تو یہ کیسے ممکن ہے کہ مردہ جو قدموں کی آہٹ چلنے کی جو آواز ہے وہ سُنے اور جب کوئی اُس سے بات کرے وہ نہ سُنے یا کوئی اور چیز نہیں سُن سکتا؟!"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ قبر کے اور آخرت کے معاملات جو ہیں اُن کا قیاس دنیا کے معاملات پر نہیں کیا جاتا بالکل الگ الگ چیزیں ہیں، دنیا میں تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ اگر آپ ایک شخص کی بات سُن سکتے ہیں تو دوسرے کی کیوں نہیں سُن سکتے آپ یا آپ اگر ایک آواز سُن سکتے ہیں دوسری آواز کیوں نہیں سُن سکتے آپ؟ دنیا میں تو یہ ممکن ہے لیکن آخرت کے معاملات میں اور قبر کے تعلق سے یا برزخ کے تعلق سے اگر کوئی یہ بات کرتا ہے تو قاعدہ یہ ہے قرآن اور سنت کی روشنی میں اور سلف کے منہج کے مطابق کہ قیاس نہیں کیا جاتا دنیا کے اُمور کا آخرت کے اُمور سے، جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ قبر کا جو مرحلہ ہے وہ آخرت کا سب سے پہلا مرحلہ ہے۔

الغرض؛ یہ جو حدیث ہے یہ متفق علیہ حدیث ہے، یہ جو جنگ بدر کا قصہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن مشرکین کے سرداروں سے جو مر چکے تھے ہلاک ہو چکے تھے دفن ہو چکے تھے ان سے جو بات ہوئی اور بعض صحابہ نے عرض کی کہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تو مر چکے ہیں یہ آپ کی بات کہاں سنیں گے کیونکہ اِن کے جسم ہیں روحیں تو ہیں نہیں (یعنی بے جان ہو چکے ہیں مر چکے ہیں)؟

تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھائی کہ یہ تم سے زیادہ سننے والے ہیں؛ یہ حدیث جو ہے یہ متفق علیہ حدیث ہے صحیح بخاری، مسلم میں یہ روایت موجود ہے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اس لیے اُن سے بات کی تھی ان کی توبیخ اور تقریع کے لیے تاکہ حسد اور ندامت ہو اُن لوگوں کو اور ذلت اور رسوائی ہو اُن لوگوں کے لیے، اور اُن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے وعدے کو تو پا لیا جو اللہ تعالیٰ نے ان سے کیا تھا سورۃ الانفال آیت نمبر 14 میں جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿ذٰلِكُمۡ فَذُوۡقُوۡهُ وَاَنَّ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابَ النَّارِ﴾ (اب عذاب کا مزہ چکھو اور بے شک کافروں کے لیے جہنم کا عذاب ہے آگ کا عذاب ہے)۔

یعنی ذلت اور رسوائی تو اُن کو دنیا میں ہو چکی تھی، ناکام بھی ہوئے ہلاک بھی ہوئے لیکن قصہ یہاں تک ختم نہیں ہوا بلکہ اب قصے کی ابتداء ہے کہ ہمیشہ کا عذاب جہنم میں (نعوذ باللہ)۔

اور جو وعدہ اُن سے کیا گیا انہوں نے اس وعدے کو پایا وہ آگ جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا تھا اُس کا عذاب اُن لوگوں نے خود دیکھا اور اُس عذاب میں مبتلا ہوئے (نعوذ باللہ) اور جو وعدہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے کیا وہ حق ثابت ہوا جو پیغام دیا تھا وہ بھی سچ ثابت ہوا لیکن اب اُس کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔

دیکھیں دین کے معاملے میں جو بھی ہمیں فائدہ نقصان ہوتا ہے ناوہ ہماری زندگی سے ہے۔ جب تک سانسیں جاری ہیں آپ کی فرمانبرداری، آپ کا ایمان عمل صالح یہ سب موجود ہے، آپ کی نافرمانی کفر بدعات خرافات یہ سارے معاملات موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ موقع دیتا ہے کہ مرنے سے پہلے توبہ کرلو سنبھل جاؤ میں معاف کردوں گا، اور اگر کسی کی موت نافرمانی میں ہو جاتی ہے کفر میں ہو جاتی ہے شرک میں ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتا شرک کے علاوہ اللہ تعالیٰ چاہے تو معاف کردے۔

اس لیے حسرت اور ندامت سے پہلے بندوں کو ہمیشہ تیار رہنا چاہیے موت کے لیے تیار ہمیشہ رہنا چاہیے کیونکہ موت کا پتہ نہیں چلتا موت کا فرشتہ اچانک آتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کر کے جاتا ہے چاہے چھوٹا بچہ ہو چاہے بزرگ ہو، مرد ہو عورت ہو، امیر ہو غریب ہو، بادشاہ ہو حاکم ہو محکوم ہو، آقا ہو غلام ہو، کوئی بھی ہو ایک لمحہ آگے پیچھے نہیں ہوگا، دودھ پیتا ہوا بچہ ہے، چھوٹا ہے بڑا ہے یتیم ہے کوئی بھی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہو کر رہے گی۔

اس لیے جو سمجھدار مومن ہیں وہ ہمیشہ تیار رہتے ہیں اور تیاری کے لیے صرف ایک جملہ ہے کیا ہے کیسے تیار کوئی رہے؟ حقوق کی ادائیگی سے (تمام حقوق)، صرف اللہ تعالیٰ کا نہیں تمام حقوق کی ادائیگی، سب سے عظیم پہلا حق ہے اللہ تعالیٰ کا توحید کا حق ہے فرمانبرداری کا حق ہے اطاعت کا حق ہے، اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق ہیں، اللہ تعالیٰ کے بندوں کے حقوق ہیں، مسلمانوں کے حقوق ہیں، آپ کے والدین کے حقوق ہیں، آپ کے رشتہ داروں کے حقوق ہیں، عام مسلمانوں کے حقوق ہیں، آپ کے پڑوسیوں کے حقوق ہیں یہاں تک کہ جانوروں کے حقوق بھی ہیں۔

تو تمام حقوق کی ادائیگی آپ نے اپنا محاسبہ روزانہ کرنا ہے اور دیکھنا ہے کہ کہیں پر کچھ کمی تو نہیں ہے کوئی کوتاہی تو نہیں ہے تاکہ اس کو درست کیا جائے اور توبہ کرلی جائے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: یہ ہیں اہل بدر جن کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ نے نصر مبین کیا تھا اور فرقان حق اور باطل کا ثابت ہوا اور جنگ کے بعد تمام عرب یعنی مشرکین جو چاہتے تھے ہم سے ہیبت کھائیں اور ڈریں جو ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہیبت کھاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ سے ڈر جاتے تھے اور اُن کی خاص ایک رعب اور

دہشت تھی عظمت بڑھ گئی اور جو اثر ورسوخ تھا وہ بڑھ گیا ورنہ کہاں دربدر ہو رہے تھے اپنے گھر بھی چھوڑ دیئے تھے اور کہاں جنگ کے بعد اُن کی عزت اُن کے مقام اُن کے درجات بلند ہوئے اور مزید اثر ورسوخ ہوا اور جو بھی عرب صرف بدر کی جگہ پر نہیں بلکہ تمام جوار دگرد کے علاقے ہیں جزیرۂ عرب پورے میں یہ خبر پھیل گئی کہ محمد علیہ الصلاۃ والسلام نے بہت بُرے طریقے سے شکست دی اور ہلاک کیا اُن سرداروں کو!

تو ان تمام قربانیوں کے بعد اور جنگ بدر کی کامیابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے یہ فرمایا: ''اعْمَلُوا ما شِئْتُمْ فقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ''(تم جو چاہو کرو یقیناً میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے (سبحان اللہ))۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: جو بھی گناہ اُن سے ہوتے ہیں تو اُن کی مغفرت ہے اس عظیم اور بڑی حسنہ اور خوبی اور بھلائی کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے فتح دی اور کامیابی دی ان کے ہاتھوں پر مشرکین پر یعنی جنگ بدر میں اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو بھی کبیرہ گناہ اُن سے ہوتے ہیں کتنے بڑے ہی کیوں نہ ہوں تو اُن کی مغفرت ہو جاتی ہے،اور یہ بشارت بھی ہے کہ اُن کی موت کبھی بھی کفر پر نہیں ہوگی کیونکہ اُن کی مغفرت ہو چکی ہے۔

اور یہ دو چیزوں کا متقاضی ہے یہ معاملہ جو ہے:

(۱)پہلی بات یہ ہے کہ یہ کبھی کفر نہیں کریں گے۔

(۲)دوسری بات یہ ہے کہ اگر کسی سے کفر بھی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے توبہ کی توفیق عطا فرمائیں گے۔

دیکھیں جب اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دی ہے کہ میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے،ایک تو یہ ہے کہ وہ نہیں کریں گے کبیرہ گناہ کفر نہیں کریں گے کبھی،اگر ہو بھی گیا تو توبہ کی توفیق فوراً ہو جائے گی (سبحان اللہ)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: جو بھی ہو اُن کے لیے بہت بڑی بشارت ہے عظیم بشارت ہے اور ہم کسی کو نہیں جانتے کہ اہل بدر میں سے کسی نے بھی کبھی کوئی کفر کیا ہو اس کے بعد۔

پھر شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وبأنه لا يدخل النّار أحد بايع تحت الشجرة، كما أخبر به النّبيُّ صلى الله عليه وآله وسلم، بل لقد رضي الله عنهم ورضوا عنه، وكانوا أكثر من ألف وأربع مئة''(اور یہ بھی ایمان ہے کہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا کوئی بھی جس نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی (یعنی بیعت الرضوان جسے کہتے ہیں) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اُن سب سے راضی ہوا اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے اور اُن کی تعداد چودہ سو (1400) سے کچھ زیادہ تھی (یعنی چودہ سو یا چودہ سو سے تھوڑا زیادہ تھی))۔

اور یہ حدیث جو ہے متفق علیہ حدیث ہے صحیح بخاری، مسلم میں،اور یہ قصہ ہے صلح الحدیبیۃ کا۔

اور اصحاب الشجرۃ جو ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں) یہ بیعت الرضوان والے ہیں صحابہ جنہوں نے بیعت کی درخت کے نیچے اور اس بیعت کا نام بیعت الرضوان رکھا گیا ہے، اور اس بیعت کی وجہ جو ہے سبب جو ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے عمرے کا ارادہ کرتے ہوئے (عمرہ کرنا چاہتے تھے)اور اللہ تعالی کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صحابہ بھی تھے جن کی تعداد چودہ سو(1400) تھی جیسے حدیث میں آیا ہے اور اُن کے ساتھ اُن کی قربانی کے جانور بھی تھے(یعنی یہ ثبوت ہے کہ عمرے کے لیے جارہے ہیں نا کہ کوئی جنگ کے لیے جارہے ہیں)،جب حدیبیۃ کے موقع پر پہنچے اور یہ جگہ جو ہے مکہ کے قریب ہے اور اس وقت جدہ کے راستے میں ہے۔

اور جانتے ہیں یہ کون سی جگہ ہے؟ شمیسی کی چیک پوسٹ جو ہے جسے شمیسی کہا جاتا ہے دور حاضر میں آج کل، یہ وہ جگہ ہے۔آپ دیکھتے ہیں کہ وہاں پر پہنچتے ہیں تو حرم کی حدود کا جو ایک دروازہ نما بنا ہوا ہے بورڈ جو ہے تو وہ آپ کو وہاں سے نظر آتا ہے۔

یعنی یہ فاصلہ تھا اللہ تعالی کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور حرم کی حدود کا اتنا فاصلہ تھا اور مشرکین نے روک دیا(یعنی یہ جو جگہ ہے حدیبیۃ کی اس کا بعض حصہ حرم کے اندر ہے اور بعض حصہ حرم سے باہر ہے)،جب مشرکین کو پتہ چلا تو انہوں نے اللہ تعالی کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو روک دیا کیونکہ وہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہی اللہ کے گھر کے رکھوالے ہیں اور حمایت کرنے والے ہیں،اللہ تعالی کا ارشاد ہے:﴿وَمَا كَانُوٓا أَوْلِيَآءَهُۥٓ ۚ إِنْ أَوْلِيَآؤُهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُتَّقُونَ﴾(یعنی حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کے گھر کی رکھوالی نہیں کرتے تھے ولی نہیں تھے اولیاء نہیں تھے،اللہ تعالیٰ کے اولیاء تو صرف متقین ہیں(اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے، متقین پرہیزگار))(الانفال:34)۔

اور پھر آپس میں کچھ نیگوسیئیشنز (Negotiations) ہوئیں دونوں فریقین کی اور اللہ تعالیٰ نے بہت ساری آیات اس جگہ میں دکھائیں کہ اللہ تعالی کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے بہت ساری چیزوں سے تنازل کیا اور چھوڑ دیا کیونکہ اس میں خیر اور مصلحت شامل تھی۔

اللہ تعالی کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی جو تھی وہ ایک جگہ پر آکر بیٹھ گئی اور آگے چلنے سے بالکل انکار کر دیا یہاں تک کہ بعض نے کہا(بعض صحابہ نے)"خَلَأَتِ القَصْوَاءُ"(یعنی قصواء(جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی کا نام ہے) اب یہ حرکت نہیں کرے گی یہ کمزور پڑ گئی ہے اب یہ حرکت نہیں کر سکتی)؛تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اونٹنی کا دفاع کرتے ہوئے فرمایا:"وَاللهِ! ما خَلَأَتِ القَصْوَاءُ"(اللہ کی قسم قصواءرُ کی نہیں ہے اپنی مرضی سے نہ ہی کمزور

پڑ گئی ہے)''وَمَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ''(اور نہ ہی اس کا یہ اخلاق ہے(سبحان اللہ) نہ اس کا یہ طریقہ ہے)''وَلَكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الفِيلِ'' (لیکن اسے روک دیا ہے اُس نے جس نے ہاتھی والوں کو روکا تھا(حَابِسُ الفِيلِ))۔

آپ جانتے ہیں کہ سورۃ الفیل میں ابرہہ کا جو قصہ ہے جو ہاتھی لے کر آیا تھا کعبہ کو توڑنے کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے ابابیل چھوٹے سے پرندے بھیج کر اُن کو ہلاک کیا، تو شروع میں ہاتھی بھی نہیں جانا چاہتا تھا ہاتھی بھی رُک گیا تھا زبردستی اس کو لے کر گئے تھے؛ بعض مفسرین یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ ہاتھی نہیں گیا تھا اور ہاتھی جو ساتھ تھے وہ گئے تھا اُس ہاتھی نے انکار کر دیا تھا۔

الغرض؛ تو''حَبَسَهَا حَابِسُ الفِيلِ'':اُسی نے روکا ہے جس نے اُس ہاتھی کو روکا تھا۔

اور آپ یہ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جانوروں کا بھی خیال رکھتے تھے اور دفاع کرتے تھے یہ عظمت ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یعنی صرف صحابہ کا دفاع نہیں۔

دیکھیں انسان دوست کا دفاع تو کرتا ہے کبھی سوچا ہے کہ یہ جانور جس کو میں استعمال کرتا ہوں اس کا دفاع بھی کرنا ہے؟! یہ عظمت ہوتی ہے؛ یعنی اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق جو ہیں بہت اعلیٰ اخلاق تھے ﴿إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (القلم:4)؛ اخلاق نیچے ہیں ﴿لَعَلَىٰ خُلُقٍ﴾ عظیم اخلاق والے تھے یہاں کے جو عام اخلاق سمجھے جاتے ہیں وہ بہت ہی نیچے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کے سامنے، اُن میں سے آپ یہ دیکھیں کہ کس طریقے سے اونٹنی کا کسی نے کہہ دیا''خَلَأَتِ القَصْوَاءُ'':یعنی جانور ہے سست پَست پڑ گیا ہے اس نے کہاں آگے جانا ہے؛ نہیں! قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہ اس کا اخلاق ہی نہیں ہے یہ اونٹنی کر بھی ایسے نہیں سکتی ہے اس پر کیسے تم لوگوں نے کلام کیا ہے؟!

یعنی کسی کو بُرا بھلا کہنا دیکھیں اب جانور ہے (سبحان اللہ) واقعی تھک بھی سکتا ہے سفر سے ہے سست بھی پڑ سکتا ہے ڈر بھی جاتا ہے کچھ بھی ہو سکتا ہے نا؟ نہیں؟! اس کے باوجود بھی قسم کھا کر فرمایا کہ اُس کا اخلاق ہی نہیں ہے یہ کیسی باتیں کر رہے ہو، لیکن اسی نے روکا ہے جس نے ہاتھی کو روکا تھا۔ یعنی اس میں ایک ہنٹ (Hint) تھا کہ آگے مت بڑھو یہیں سے پتہ چل گیا تھا کہ حکمت عملی یہ ہونی چاہیے کہ آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔

اس لیے شیخ صاحب فرماتے ہیں: پھر اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسی حدیث میں آگے:''والذي نَفْسِي بِيَدِهِ''(اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے)''لا يَسْأَلُونِي خُطَّةً يُعَظِّمُونَ فِيهَا حُرُمَاتِ اللَّهِ''(مجھے کوئی بھی ایسا پلان یا ایسی بات نہیں کریں گے جس میں اللہ تعالیٰ کی جو حرمات ہیں ان کی تعظیم کریں گے)''إِلَّا أَعْطَيْتُهُمْ إِيَّاهَا''(اِلَّا یہ کہ میں اُن کو دے دوں (یعنی اُن کی بات کو مان لوں گا))۔

اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی عظمت بہت ضروری ہے، اب حرم میں داخل ہونا ہے اور بہت ساری چیزیں حرم سے جڑی ہوئی ہیں کہ قتال نہیں کرنا جنگ نہیں کرنی بہت ساری چیزیں ہیں لیکن اگر کوئی بات مجھ سے کریں گے کوئی پوچھیں گے کچھ چاہیں گے مجھ سے اگر سوال کریں گے یا اس نیگو سیئیشن (Negotiation) کے حصے میں کوئی ایسی بات آئے گی جس میں اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی تعظیم کی جائے تو میں وہ بات مان لوں گا۔

اور یہ قصہ جو ہے متفق علیہ حدیث میں آیا ہے صحیح بخاری میں بھی روایت موجود ہے اور مشہور قصہ صلح الحدیبیة کا قصہ جو ہے آپ دیکھیں اور سورۃ الفتح میں بھی یہ قصہ موجود ہے، اور پچھلے ایک درس میں میں نے بتایا تھا کہ فتح جو ہے اس سے مراد عام طور پر فتح مکہ لیا جاتا ہے لیکن جو سچ بات ہے قول راجح یہی ہے کہ صلح الحدیبیة ہے کیونکہ فتح مکہ بھی صلح حدیبیہ کے بعد ہوا تھا؛ اور جو صلح الحدیبیة ہے اگرچہ اس میں بہت ساری شرطیں جو ہیں وہ بہت مشکل تھیں ظاہراً نظر آتی تھیں سخت شرطیں تھیں اہل ایمان کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے لیے لیکن جب اللہ تعالیٰ کے گھر کی اور اللہ تعالیٰ کی جو حرمات ہیں اُن کی تعظیم اس میں شامل تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہوئے اور اُن کی باتوں کو مان لیا۔

الغرض شیخ صاحب فرماتے ہیں: آپس میں تفاوض اور نیگو سیئیشن (Negotiation) شروع ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے سیدنا عثمان بن عفان کو بھیج دیا تھا پہلے تاکہ اُن کے قریبی رشتے دار بھی تھے تو وہ یہی بات بتانے جائیں اور سمجھائیں کہ ہم جنگ کے لیے نہیں آئے ہیں عمرے کے لیے آئے ہیں اور ہمیں عمرہ کرنے دیں، اور سیدنا عثمان کے جو رشتے دار تھے مکہ میں یعنی کافی طاقتور تھے اور اُن کی حمایت کے لیے بھی وہ تیار تھے۔

بہر حال یعنی اسلام کی دعوت بھی دیں گے سمجھائیں گے اور وجہ بھی بتائیں گے کہ وہ کیوں آئے ہیں تو یہ خبر پھیل گئی کہ سیدنا عثمان کو قتل کر دیا گیا ہے اور یہ مسلمانوں کے لیے بہت بڑی بات تھی، اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیعت کے لیے صحابہ کرام کو بلایا اور یہ بیعت لی کہ وہ اہل مکہ سے قتال کریں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغمبر کو (یعنی رسول کو یعنی سیدنا عثمان بن عفان کو) قتل کیا اُن سے قتال کریں گے۔

اور یہ قاعدہ تھا جیسے آج بھی دیکھتے ہیں کہ جو رسول ہوتے ہیں جو امبیسیڈر (Ambassador) ہوتے ہیں اُن کو قتل نہیں کیا جاتا وہ تو پیغام لے کر جاتے ہیں تو اُن کو قتل نہیں کیا جاتا یہ قانون ہے اُس زمانے میں بھی تھا آج کے دور میں بھی ہے اور ہر زمانے میں یہ قانون رہا ہے۔ جب یہ خبر پھیلی تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو جمع کیا ایک درخت کے نیچے اور صحابہ کرام سے بیعت لی کہ وہ قتال کریں اور مرتے دم تک فرار نہیں ہوں گے، یعنی اس سے پہلے کہ وہ آئیں اور

تفاوض کریں جو خبر پہلے پھیل چکی تھی، اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درخت کے نیچے اُن لوگوں کی بیعت لی اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنا ہاتھ آگے کیا اور صحابہ نے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور یہ مبارک بیعت کی جس کے تعلق سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾ (بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں تو حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کی بیعت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے) (الفتح:10) ۔ اور سیدنا عثمان کیونکہ اس وقت موجود نہیں تھے غائب تھے تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ اپنے ہاتھ پر رکھا اور یہ فرمایا کہ یہ سیدنا عثمان کی طرف سے ہے، اپنا دایاں ہاتھ رکھا اپنے ہاتھ پر اور فرمایا کہ یہ سیدنا عثمان کی طرف سے بیعت ہے کہ وہ بھی اس بیعت میں شریک ہیں۔

پھر یہ بات واضح ہوئی کہ سیدنا عثمان کو قتل نہیں کیا گیا وہ زندہ ہیں سلامت ہیں اور پھر جو کچھ سردار کچھ لوگ آئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کرنے کے لیے اور اس تفاوض کا اور اس نیگوسیئیشن (Negotiation) کا حصہ بننے کے لیے قریش اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کچھ دیر تک یہ معاملہ جاری رہا یہاں تک کہ بات اس چیز پر ختم ہوئی کہ صلح ہو جائے گی اِس وقت جو بعد میں فتح مبین اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ثابت ہوا۔

جنہوں نے بیعت کی (جن صحابہ نے بیعت کی) اُن کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے سورۃ الفتح 18 اور 19 میں:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (یقیناً اللہ تعالیٰ راضی ہوا مومنوں سے) ﴿إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (جب انہوں نے بیعت کی ہے درخت کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی) ﴿فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ﴾ (تو اللہ تعالیٰ نے خوب جان لیا جو اُن کے دلوں میں ہے) ﴿فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ﴾ (تو سکینت کو اُن کے اوپر نازل کر دیا) ﴿وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ (اور فتح قریب اُن کو عطا فرمایا) ﴿وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا﴾ (اور بہت سارا مال غنیمت لے لیں گے) ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ (اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور بڑی حکمت والا ہے)۔

آپ اس میں دیکھیں کہ سکینت بھی ہوئی سکون بھی ملا۔ فتح قریب جو تھا وہ بھی ملا، یعنی صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ بھی ہوا، پھر جنگ خیبر میں کامیابی بھی ہوئی مال غنیمت بھی بہت سارا ملا، یہ ساری چیزیں جڑی ہوئی ہیں اس صلح الحدیبیۃ سے (سبحان اللہ)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): اور جنہوں نے بیعت کی اُن میں سے سیدنا ابو بکر، عمر، عثمان اور علی بھی شامل تھے (چاروں عظیم صحابہ شامل تھے)، اور اللہ تعالیٰ نے جو وصف ہے ایمان کے وصف سے بیان فرمایا ہے "اے اہل ایمان!" اور

یہ گواہی جو ہے اللہ تعالیٰ کی کہ جن لوگوں نے اس درخت کے نیچے بیعت کی ہے وہ مومن ہیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ بھی راضی ہوں گے یعنی، اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بھی جہنم میں داخل نہیں ہوگا اُن میں سے جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے: "لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ" (جہنم میں داخل نہیں ہوگا کوئی بھی جس نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے)۔

تو اللہ تعالیٰ اِن صحابہ سے راضی ہیں قرآن میں ثابت ہے، اور جہنم میں داخل ہونے کی نفی جو ہے وہ اس حدیث سے سنت سے ثابت ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان "کہ جہنم میں داخل کوئی نہ ہوگا جس نے درخت کے نیچے بیعت کی" کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم اس حدیث کو اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو کیسے جمع کر کے جوڑ سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد سورۃ مریم آیت نمبر 71 میں: ﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾؛ جہنم کے تعلق سے کہ کوئی نہیں تم میں سے اِلَّا یہ کہ جہنم پر وارد ہوگا اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾ لازمی ہے یعنی ہو کر رہے گا؟

شیخ صاحب فرماتے ہیں: جمع دونوں میں سے ایک وجہ ہو سکتی ہے:

(۱) پہلی بات یہ کہا جائے گا کہ مفسرین کا اختلاف ہے کہ ورود سے کیا مراد ہے ﴿وَارِدُهَا﴾ میں؟ بعض نے کہا کہ صراط پر چلنے سے یہ ورود ہو جاتا ہے کیونکہ صراط جو ہے وہ جہنم کے اوپر بچھا دیا جائے گا اور لوگ اس سے اہل ایمان جو ہیں گزریں گے، جہنم نیچے ہوگی اور یہ اوپر سے گزر کر جائے گا گویا کہ وہ جہنم سے ہو کر گزر کر چلا گیا ہے اس لیے قرآن مجید میں بھی ہے سورۃ القصص آیت نمبر 23 میں: ﴿وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ﴾: موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام جب مدین پہنچے وہاں پر دیکھا کہ بہت سارے لوگ کھڑے ہیں مآءِ مدین میں ﴿وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ﴾ مدین کا جو پانی ہے جو کنواں ہے وہاں پر پہنچے اور بہت سارے لوگ وہاں پر پانی لے رہے تھے اور یہ یقینی بات ہے کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کنویں کے پانی کے اندر نہیں گئے تھے۔

تو ورود کا معنی یہ نہیں ہے کہ لازمی داخل ہونا ہے، ورود کا معنی پہنچنا ہے، وہاں تک پہنچنے کو ورود کہا جاتا ہے، یا اُن کے قریب جانا؛ تو کوئی اشکال اور تعارض نہیں ہے اس آیت میں اور حدیث میں۔

(۲)دوسری بات یہ ہے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ورود سے مراد دخول ہی ہوتا ہے کہ داخل ہونا، اگر یہ بھی مان لیا جائے یعنی داخل ہونا ہے کہ کوئی ایسا انسان نہیں ہے مگر یہ کہ جہنم میں داخل ہوگا تو اس سے مراد یہ ہوگا کہ اس آیت کو حدیث سے کیسے ملایا جائے گا، شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ داخل ہوں گے عذاب اور رسوائی کے لیے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی اس قسم کو پورا کرنے کے لیے داخل ہوں گے ﴿وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا﴾۔

(۳)اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے تیسری بات شیخ صاحب فرماتے ہیں: "من باب العام المخصوص بأهل بيعة الرضوان": یہ عام ہے جس کو مخصوص کر دیا گیا ہے بیعت الرضوان سے یعنی یہ کبھی نہیں جائیں گے۔

یعنی قرآن مجید کی آیت میں آیا ہے کہ جہنم میں سب کو وارد ہونا پڑے گا، حدیث میں آیا ہے کہ بیعت الرضوان والے جہنم سے بچ جائیں گے کبھی داخل نہیں ہوں گے تو دونوں کو کیسے جمع کیا جاسکتا ہے کیسے جوڑا جا سکتا ہے؟ اور یہ قاعدہ تو معروف ہے کہ قرآن اور صحیح حدیث کا آپس میں تضاد تعارض کبھی ہو نہیں سکتا(Contradiction کبھی ہو نہیں سکتی) تو یہاں پر کیا ہے؟

اگر دیکھا جائے تو جمع بالکل آسان ہے تضاد تو ہو ہی نہیں سکتا تضاد بالکل اگر ظاہر بھی دیکھا جائے تضاد تو ہے ہی نہیں کیونکہ ورود سے مراد یہ ہر گز نہیں کہ داخل ہونا، عربی میں ورود پہنچنے کو بھی کہتے ہیں اور ہم یہ جانتے ہیں اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے جیسا کہ نصوص میں آیا ہے اور اس کے دلائل میں یہ موجود ہے کہ پل صراط جو ہے وہ جہنم پر بچھا دیا جائے گا اور پھر اہل ایمان صرف اُس پر سے گزریں گے، مختلف اسپیڈ ہوگی پہلے بھی گزر چکا ہے آخرت پر ایمان کے تعلق سے بات ہو چکی ہے؛ تو پھر لوگ اُس پر سے گزر کر جائیں گے اور پھر جس کے گناہ زیادہ ہوں گے تو کچھ لوگ وہاں سے گریں گے اہل ایمان جو ہیں وہ جب جہنم میں داخل ہوں گے تو اس طریقے سے جائیں گے جو گناہگار ہیں جن کے گناہ اُن کی نیکیوں سے زیادہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بھی ان کو کوئی فائدہ نہ ہوا اتنے زیادہ گناہ تھے کہ وہ جہنم میں داخل ہوئے اس طریقے سے۔

تو یہ ورود ہے ﴿وَارِدُهَا﴾ سے یہ مراد ہے کہ اہل ایمان لازمی گزر کر جائیں گے پھر جنت میں داخل ہوں گے جو بچ جائیں گے پل صراط سے پھر جنت میں داخل ہوں گے، جو پل صراط کو پار کر لیں گے اور بچ جائیں گے جہنم سے وہ جنت میں داخل ہوں گے، اِس سے مشرکین کافر منافقین تو پہلے چلے گئے پل صراط سے پہلے چلے گئے کیونکہ پل صراط پر صرف اہل ایمان گزریں گے اور اہل ایمان بھی جہنم کے اوپر سے چل کر جا رہے ہیں جنت کی طرف تو ورود تو ہو گیا قرآن اور حدیث میں تو کوئی فرق نہ ہوا، اِس میں صحابہ بھی شامل ہیں بیعت الرضوان والے وہ بھی شامل ہیں وہ بھی اوپر سے گزر کر جا رہے ہیں۔

اور دوسری بات یہ ہے اگر یہ کہا جائے کہ نہیں ورود سے مراد جیسا کہ اس لفظ کا دوسرا معنی ہے وارد ہونے کا کہ جہنم میں داخل ہونا ہی لازمی ہے تو یہ دخول یہ ہو گا صرف کہ اللہ نے جو قسم کھائی ہے کہ اندر جائیں گے لیکن کوئی عذاب کوئی رسوائی کوئی تکلیف کچھ نہیں ہو گا۔

اور تیسری بات جو شیخ صاحب نے کی ہے وہ یہی ہے کہ یہ "باب العام المخصوص بأهل بيعة الرضوان": یعنی عمومی طور پر تو جو ہو گا اگر جائیں گے بھی اہل ایمان تو ان کو کوئی عذاب کوئی تکلیف نہیں ہو گی بیعت الرضوان اِن سے بچا لیے جائیں گے۔

پھر شیخ فرماتے ہیں: شجرۃ سے مراد یہ وہ درخت ہے جو بیری کا درخت تھا کہا جاتا ہے بیری کا درخت ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ سُمر کا درخت تھا یہ جو خاص درخت ہوتا ہے ویرانوں میں کانٹے دار درخت ہوتا ہے اور اس میں چھاؤں جو ہوتی ہے نا بہت سایہ بہت اچھا ٹھنڈا ہوتا ہے یہ وہ درخت ہے۔

بہر حال (شیخ صاحب فرماتے ہیں) اس اختلاف میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ درخت کون سا تھا بیری کا تھا یا سُمر کا درخت تھا لیکن سائے دار درخت تھا اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور لوگوں کو یعنی صحابہ کرام کو بلایا، اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اور سیدنا ابو بکر صدیق کے زمانے تک یہ درخت موجود تھا اور سیدنا عمر کی خلافت کے پہلے زمانے تک بھی یہ درخت موجود تھا جب بعض لوگوں نے کہا سیدنا عمر سے کہ لوگ جو ہیں وہ اس درخت کی طرف آنا شروع ہوئے ہیں اور اس درخت کے قریب آکر نمازیں پڑھتے ہیں (یعنی قبلہ رُخ ہو کر اس درخت کے قریب آکر نمازیں پڑھتے ہیں نوافل وغیرہ پڑھتے ہیں) تو سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا اور اس درخت کو کاٹ دیا گیا۔

فتح الباری میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی یہ بات جو ہے ابن سعد نے صحیح سند سے روایت کی ہے لیکن صحیح بخاری میں ایک روایت ہے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ ہم اگلے سال جب صلح الحدیبیۃ کے بعد آئے جب ہم جمع ہوتے تھے اُس درخت کے قریب دو لوگ مل کر جمع ہوتے تھے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی تھی۔

اور سیدنا سعید کے والد بھی یہی کہتے تھے کہ اگلے سال جب ہم گئے تھے تو ہم بھول گئے تھے کہ کون سا درخت تھا پھر ہمیں ملا نہیں۔ یعنی سیدنا عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ صلح الحدیبیۃ کو جب سال ہوا اگلے سال ہمیں درخت وہ ملا ہی نہیں پھر، دو لوگ جا کر ڈھونڈتے تھے درخت نہیں ملا صحیح بخاری کی روایت میں آیا ہے؛ اور سیدنا سعید بن المسیب جو معروف تابعی ہیں (المسیب صحابی تھے) وہ کہتے ہیں کہ جب ہم گئے تھے تو ہمیں بھی وہ درخت نہیں ملا (سبحان اللہ)۔

یعنی اسی وقت ہی درخت کے بارے میں اُن کو پتہ نہیں چلا کہ وہ کون سا درخت تھا۔
پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): اس میں کوئی یعنی منافات نہیں ہے دونوں باتوں میں یہ ابن حجر نے ابن سعد کے طبقات سے بات کی ہے کہ لوگ جو ہیں وہاں پر درخت کے پاس نمازیں پڑھتے تھے، اور صحابہ کا یہ کہنا کہ ہمیں یاد نہیں تھا کون سا درخت ہے اس میں آپس میں کوئی کنٹراڈکشن (Contradiction) کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ پہلے بھول گئے ہوں اور بعد میں لوگوں کو پتہ چل گیا ہو: "واللہ أعلم"۔
اور یہ جو سیدنا عمر بن خطاب نے کیا کیونکہ بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہتے ہیں کہ نہیں صحیح بخاری میں آیا ہے تو سیدنا عبداللہ بن عمر تو فرماتے ہیں کہ ہم جب گئے تھے اگلے سال میں ہمیں ملا نہیں وہ درخت، اُن کو نہیں ملا کسی اور صحابی کو نہیں ملا تو بعد میں آنے والوں کو تو مل گیا نا؟!
جیسے جیسے زمانہ دور چلا جاتا ہے تو آپ کو پتہ ہے کہ خیر کم اور شَر بڑھتا جاتا ہے تو اگلے زمانے میں جو بعض تابعین آئے اور کچھ اور لوگ آئے انہوں نے جو دیکھا کہ یہ درخت وہی درخت ہے تو نمازیں پڑھنا شروع کر دیں اُس درخت کے قریب، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ لوگ یہاں پر نمازیں پڑھ رہے ہیں تو بدعت کے سدّباب کے لیے (دیکھیں سبحان اللہ جب کہ نماز اللہ تعالیٰ کے لیے پڑھی جا رہی ہے قبلہ رُخ ہو کر پڑھی جا رہی ہے) تاکہ یہ نہ ہو کہ آج لوگ جو ہیں قبلہ رُخ ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں کل یہ لوگ اس درخت کی عبادت کرنا شروع کر دیں یا اس درخت کی کوئی خاص خصوصیت ہو جائے یا اُس کو بابرکت سمجھا جائے یا برکت لینے کے لیے یہاں پر کچھ لوگ بدعات اور خرافات شروع کر دیں تو اُس درخت کو ہی کاٹ دیا تھا (سبحان اللہ)۔
شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حسنات میں سے ہے اُن کے نیک کاموں میں سے ہے کیونکہ اگر یہ درخت دورِ حاضر میں ہوتا اور اس طریقے سے آج تک موجود ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے سوا اس درخت کی عبادت کی جاتی! (نعوذ باللہ)۔
آپ دیکھیں اس وقت کیا ہو رہا ہے؟! مزاروں پر دیکھیں یعنی مزار کے ارد گرد جو بھی چیزیں ہوتی ہیں وہ پاک سمجھی جاتی ہیں اور بابرکت سمجھی جاتی ہیں، جو وہاں پر درخت اور پودے ہوتے ہیں اُن کو نہیں کاٹتے وہاں پر تعویذ لٹکاتے ہیں، وہاں پر دھاگے باندھتے ہیں؛ دیکھا نہیں آپ نے درختوں پر کیا کرتے ہیں؟! کیونکہ اُس پیر صاحب کی جو برکت ہے وہ صرف اُس کی قبر تک محدود نہیں ہے اُس کی برکت پھیل گئی ہے اور درختوں پودوں تک میں پہنچ گئی ہے! (سبحان اللہ)۔

تو (سبحان اللہ) واقعی بات ایسی ہی ہے کہ اب یہ درخت اگر آج بھی موجود ہوتا اور لوگوں کو پتہ ہوتا! آپ غار حرا میں دیکھیں کہ لوگ وہاں پر جا کر نمازیں پڑھتے ہیں نفلیں پڑھتے ہیں منتیں مانتے ہیں پتہ نہیں کیا کچھ نہیں کرتے! جبکہ حکومت نے اس کو بند کر دیا ہے (الحمد للہ) اب تقریباً لوگ وہاں پر نہیں جانتے ورنہ تو پچھلے کئی سالوں سے آپ دیکھتے ہیں کہ وہاں پر لوگ چاکنگ بھی کرتے ہیں لکھتے بھی ہیں، تصویریں بھی لیتے ہیں سلفیاں بھی بناتے ہیں وڈیو بھی بناتے ہیں، بدعات عام کرتے ہیں۔

تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا جو یہ اقدام تھا بڑا عمدہ اقدام تھا عظیم اقدام تھا پرکھ لیا تھا انہوں نے کہیں یہ نہ ہو کہ بدعات اور خرافات شروع ہو جائیں اس درخت کی وجہ سے کیونکہ جو بیعت ہوئی تھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیعت کی تھی درخت کی اپنی کوئی خصوصیت نہیں تھی کوئی برکت نہیں تھی، بیعت ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سائے دار درخت دیکھا یہی قریب تھا اُس سائے کے نیچے جا کر بیٹھ گئے صحابہ کرام کو بلایا اور اُس درخت کے نیچے بیعت ہو گئی "بیعت الرضوان"۔

﴿تَحۡتَ ٱلشَّجَرَةِ﴾ کا ذکر قرآن مجید میں ہے کیونکہ درخت وہی موجود تھا اب اس درخت کی اپنی کوئی حیثیت ہے؟ کوئی حیثیت نہیں ہے کوئی برکت نہیں ہے، جو برکت تھی جو حیثیت تھی وہ اُس بیعت کی تھی جسے بیعت الرضوان کہا گیا ہے۔

"رضوان" اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے سے مبالغہ ہے رضا ہونے سے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہے اور بھرپور اور بہت زیادہ راضی ہے اللہ تعالیٰ اِن سے کیونکہ جنگ ہو بھی سکتی تھی (سبحان اللہ) پتہ نہیں تھا کہ سیدنا عثمان کو اگر واقعی قتل کیا گیا ہے پھر تو جنگ کرنی ہے کیونکہ یعنی جنگ کا انہوں نے خود الارم (Alarm) بجایا ہے کہ ایک پیغمبر کو بھیجا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں پر صرف دعوت توحید کے لیے اور یہ بتانے کے لیے کہ ہم کس مقصد سے آئے ہیں اور قتل کر دیں یہ تو پھر اعلان جنگ ہو گیا نا ایک طرف سے! اس لیے بیعت کی تھی پھر بیعت کے بعد پھر خبر ملی کہ سیدنا عثمان زندہ ہیں (سبحان اللہ)۔

تو درخت کا بیچ میں کیا کمال ہے یا کیا قصور ہے؟! کوئی کمال ہے کوئی برکت ہے کچھ ہے؟! کچھ بھی نہیں ہے (سبحان اللہ)؛ تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بہت سارے اچھے اقدامات اور احسانات میں سے امت پر ایک یہ احسان ہے کہ اس درخت کو کاٹ دیا گیا۔

اگلے درس میں ان شاء اللہ مزید صحابہ کرام کے تعلق سے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس عظیم عقیدہ العقیدۃ الواسطیۃ میں صحابہ کے تعلق سے جو چند باتیں کی ہیں فرماتے ہیں: ’’ويشهدون بالجنة لمن شهد له رسول الله صَلَّى الله عليه وسلم؛ كالعشرة، وثابت بن قيس بن شماس، وغيرهم من الصّحابة‘‘ (اب جنت کی گواہی اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض

صحابہ کے لیے دی نام لے کر جیسا کہ عشرۃ مبشرۃ میں ہے،اور ان کے علاوہ سید نا ثابت بن قیس بن شماس ہیں،اور ان کے علاوہ بھی کچھ صحابہ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی زندگی میں یہ بشارت دی تھی خوشخبری سنائی تھی کہ یہ صحابہ جو ہیں،نام لے کر،یہ جنتی ہیں)۔

اگلے درس میں دیکھیں گے کہ کون سے صحابہ ہیں اور کن کن کا نام لیا گیا ہے،اور یہ خوشخبری سننے کے بعد اُن کی زندگی کیسے مزید گزری،اور کس طریقے سے انہوں نے اس کا حق ادا کیا ہے۔

((واللہ أعلم))۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

سوال: یہ عمرے کو جارہے تھے تو جانور لے کر جانے کی کیا ضرورت پڑی؟

جواب: سنت ہے کہ اگر کوئی شخص کرنا چاہتا ہے عمرہ تو وہ قربانی کرے اور دور جاہلیت میں بھی اسلام سے پہلے اس پر عمل ہوا کرتا تھا کہ جو عمرہ کرتے تھے یا حج کرتے تھے تو قربانی کرتے تھے،تو قربانی سنت تھی واجب نہیں تھی ساتھ لے کر جانور جانا کیونکہ ایک شبہ تھا مشرکین کو کہ جنگ کے لیے آرہے ہیں تو ثبوت ساتھ لے کر گئے تھے۔

آپ دیکھیں کہ چودہ سو صحابہ کتنے اونٹ ہوں گے ان کے پاس،یعنی ہزار بھی اونٹ اگر ہو جائیں اور ہزار اونٹ دور سے نظر آتے ہیں کہ اونٹ ہیں،کچھ سواری کے لیے تھے اور کچھ جانور جو تھے وہ ذبح کرنے کے لیے تھے قربانی کے لیے،اونٹ بھی تھے کچھ بکریاں بھی تھیں کچھ اور بھی جانور تھے تو یہ ثبوت تھا کہ ہم جنگ کے لیے نہیں آرہے ہیں تو یہ حکمت عملی تھی تاکہ دور سے پتہ چل جائے کیونکہ جنگ تو پہلے ہو چکی تھی؛یہ صلح الحدیبیۃ 6 ہجری میں ہوا۔

اب دیکھیں جنگ بدر 2 ہجری میں، جنگ احد 3 ہجری میں، جنگ احزاب 5 ہجری میں، یہ ساری چیزیں پہلے ہو چکی تھیں، یعنی جنگ ابھی جاری تھی چل رہی تھی جنگ احزاب میں شدید شکست ہوئی اب وہی اچانک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (میں پورا قصہ نہیں بتایا) خواب دیکھا خواب میں عمرہ کر رہے ہیں اور نبی کے خواب سچے ہوتے ہیں انبیاء کے خواب سچے ہوتے ہیں،تو صحابہ کرام کو جب یہ خوشخبری دی کہ بھئی عمرہ کریں گے سب تیار ہو گئے،جب وہاں پر پہنچے تو یہ بھی شبہ آیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہ ہمیں پیغام دیا تھا کہ عمرہ کریں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خواب میں یہ تو تھا کہ عمرہ کریں گے یہ تو نہیں تھا کب کریں گے (سبحان اللہ)۔

اللہ تعالی کی حکمت تھی کہ اس موقع پر یہ ہونا تھا جیسے جنگ بدر میں آمنا سامنا ہوا جبکہ نہیں چاہتے تھے اور یہاں پر بھی دیکھیں، اگلے سال پھر عمرہ ہوا، عمرہ تو ہونا تھا ورنہ دیکھیں جنگ کے دوران کیسے عمرہ ہو سکتا ہے؟! اب اصل عمرہ کرنے سے پہلے یہ صلح الحدیبیة ہونا تھا پھر اگلے سال میں جسے عمرة القضاء کہتے ہیں وہ ہونا تھا (سبحان اللہ) تو اس لیے جانور ساتھ لے کر گئے تھے (واللہ أعلم)۔

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا عمرہ فتح مکہ سے پہلے ہوا؟

جواب: جو پہلا عمرہ ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فتح مکہ سے پہلے ہوا، وہ تو لوگ حج بھی کرتے تھے سن 9 ہجری تک اور لوگ جاتے تھے حج تو سن 9 ہجری میں فرض ہوا نا؛ یعنی اس وقت جب 6 ہجری میں عمرے کے لیے جا رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تب بُت تو موجود تھے اور عمرة القضاء اگلے سال میں ہوا سن 7 ہجری میں، فتح مکہ 8 ہجری میں ہوا۔

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضی بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (099.العقيدة الواسطية) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست کر دیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔

mp3 Audio